اکائی - 1 علم المعانی

اکائی کے اجزاء

1.1 مقصد
1.2 تمہید
1.3 علم المعانی کی تعریف اور غرض وغایت
1.3.1 علم المعانی کی تعریف
1.3.2 تعریف کی تشریح
1.3.3 علم المعانی کی غرض وغایت
معلومات کی جانچ
1.4 بلاغت کی اقسام، اور علم المعانی کے مباحث
1.4.1 بلاغت کی اقسام
1.4.2 علم المعانی کے مباحث
معلومات کی جانچ
1.5 علم المعانی کا موضوع، فوائد اور بلاغت پر اس کے اثرات
1.5.1 علم المعانی کا موضوع
1.5.2 علم المعانی کے فوائد
1.5.3 بلاغت پر علم المعانی کے اثرات
معلومات کی جانچ
1.6 علم المعانی کی اساس، ابتدا اور نشو ونما
1.6.1 علم المعانی کی اساس
1.6.2 علم المعانی کی ابتدا

1.6.3 علم المعانی کی نشو ونما اور ابتدائی کتابیں
1.6.4 "مفتاح العلوم" کی شروحات وتلخیصات
1.6.5 جدید کتابیں
معلومات کی جانچ
1.7 علم المعانی کے اہم مؤلفین
1.7.1 الجرجاني
1.7.2 السکّاکي
1.7.3 التفتازاني
1.7.4 دیگر مؤلفین
معلومات کی جانچ
1.8 خلاصہ
1.9 نمونے کے امتحانی سوالات
1.10 سفارش کردہ کتابیں

1.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ یہ جان سکیں گے کہ علم المعانی کی لغوی واصطلاحی تعریف کیا ہے، صحیح عربی زبان کو سمجھنے، بولنے اور لکھنے کے لیے علم المعانی کو جاننے کی کیوں ضرورت ہے، اس کی اہمیت اور معنویت کیا ہے، علم المعانی کا فن بلاغت سے کیا رشتہ ہے اور اس رشتہ کی نوعیت کیا ہے، کون کون سے مباحث علم المعانی کے ذیل میں آتے ہیں، علم المعانی کا آغاز کب اور کیسے ہوا، اس علم کے نمایاں اہل قلم کون ہیں، اس موضوع پر اہم کتابیں کونسی ہیں، اس علم میں تصنیف کے مراحل کیا رہے ہیں۔

1.2 تمہید

عزیز طلبہ ! آپ اس اکائی کی ابتدا میں ایک بار پھر یہ ذہن نشیں کرلیں کہ علم بلاغت کی تین شاخیں ہیں: علم بیان، علم بدیع، اور علم معانی، علم المعانی علم بلاغت کی اہم شاخ ہے، اس اکائی میں بلاغت کی اسی شاخ پر گفتگو کی جائے گی اور یہ بتانے کی کی کوشش کی جائے گی کہ علم المعانی کا عربی

زبان کے صحیح استعمال میں کیا مقام ہے، اس کو جاننے کی کتنی ضرورت ہے، اور عربی زبان کے ماہرین نے قرآن وحدیث اور عربی شعر ونثر کی روشنی میں اس علم کی تفہیم کس طرح کی ہے، اس علم کو حاصل کرنے کے بعد عربی زبان کی چاشنی کیسی دو چند ہو جاتی ہے اور اس کو نہ جاننے کی وجہ سے ذوق سے محرومی کے ساتھ ساتھ مختلف مواقع پر کیسی غلطیوں کا امکان ہے، ہم اس کا مطالعہ اس مقصد سے کریں کہ ہم بھی فصیح عربی کو سمجھنے، اس میں بات کرنے اور لکھنے کی لیاقت پیدا کر سکیں۔

1.3 علم المعانی کی تعریف اور غرض وغایت

1.3.1 علم المعانی کی تعریف

فن بلاغت کے مشہور عالم سکّاکی (وفات: 626ھ) نے علم المعانی کی تعریف اس طرح کی ہے:

"إنـه تتبع خـواصّ تركيب الكلام في الإفادة، وما يتصل بها من الاستحسان وغيره، ليحترز بالوقوف عليها عن الخطأ في تطبيق الكلام على مايقتضي الحال ذكره".

اس تعریف کو آپ اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ علم المعانی وہ علم ہے جس میں کلام کی ہیئت ترکیبی کی خصوصیات کو تلاش کر کے انہیں اجاگر کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کیا فائدہ دے رہے ہیں، اور ان سے کلام میں کیا حسن پیدا ہوا ہے، اور کن بنیادوں پر اس کی تحسین کی جا سکتی ہے، اور اس قسم کی اور چیزیں ہیں، اور یہ اس مقصد سے کہ موقع ومحل کی رعایت کرتے ہوئے گفتگو کرنے کے سلسلہ میں جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اس علم سے واقفیت کے بعد ان سے بچنا ممکن ہو۔

گویا علم المعانی وہ علم ہے جس میں متکلم کو مخاطب کی ذہنی صلاحیت اور مقتضائے حال کے مطابق کلام (گفتگو) کرنے کے قواعد سکھائے جاتے ہیں، نیز کسی عبارت سے حقیقی معنی کے علاوہ قرائن اور سیاق وسباق سے جو مزید معانی سمجھ میں آتے ہیں اور دریافت ہوتے ہیں، ان کی تشریح کی جاتی ہے، اسی لیے عام طور سے بلاغت کے ماہرین نے اس کی اس طرح تعریف کی ہے، اور یہ تعریف سکاکی کی تعریف سے زیادہ واضح اور اپنے مقصد کے لیے زیادہ موزوں ہے:

"هو علم يعرف به أحوال اللفظ العربي التي بها يطابق اللفظُ مقتضى الحال".

(یہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ ایک عربی لفظ کے ان احوال کو پہچانا جاتا ہے جن کے ذریعہ لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہو جاتا ہے)۔

1.3.2 تعریف کی تشریح

تعریف میں استعمال ہونے والے لفظ "الـلـفظ" میں مفرد ومرکب دونوں شامل ہیں، لفظ کے احوال سے جملہ کے احوال اور اس کے مختلف اجزاء کے احوال مراد ہوتے ہیں، جملہ کے احوال درج ذیل ہیں:

1- وصل۔

2- فصل۔

3- قصر۔

4- ایجاز۔

5- اطناب۔

6- مساوات۔

اجزاء جملہ کے احوال درض ذیل ہیں:

1- مسندالیہ کے احوال۔

2- مسند کے احوال۔

3- متعلقات فعل کے احوال۔

تعریف میں "الحال" کا بھی لفظ استعمال ہوا ہے، حال کو "المقام" بھی کہتے ہیں، اس سے مراد وہ چیز ہے جو متکلم کو اپنے کلام میں منفرد خصوصیت پیدا کرنے پر مجبور کرے، یعنی متکلم خاص پس منظر، اور مخاطب کی ذہنی کیفیت وغیرہ کو ذہن میں رکھ کر گفتگو کرے، مثلا ایک شخص کسی بات کو ماننے کے لیے تیار نہ ہو تو اس کے سامنے اپنی بات تاکید در تاکید کے ذریعہ رکھے تاکہ اس کا انکار ختم ہو سکے اور وہ اس کی بات کا قائل ہو جائے۔

تعریف میں ایک تعبیر "مقتضی الحال" کی استعمال ہوئی ہے، مقتضائے حال کو "الاعتبار المناسب" بھی کہتے ہیں یعنی حال اور مقام کا تقاضہ کیا ہے؟ یہی مقتضی ہے، اور اس کی رعایت کرنا مطابقتِ مقتضائے حال کہلاتا ہے۔

مثلاً وعظ و تقریر ایک حال ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ شرح وبسط اور تفصیل سے گفتگو کی جائے، تو یہ تفصیل سے گفتگو کرنا مقتضی ہے، اور کلام کو تفصیل کے ساتھ پیش کرنا مقتضائے حال کی مطابقت ہے، اسی کو ایک مثال سے سمجھئے کہ آپ کا مخاطب علم کی اہمیت کا قائل نہیں، یہ ایک حال ہے جو تاکید چاہتا ہے، چنانچہ تاکید مقتضی ہے، اور آپ کا اس طرح علم کی اہمیت کو بیان کرنا کہ **"لاشک أن الانسان بغیر علم کشجر بلا ظل ولا ثمر"** (بے شک علم کے بغیر انسان اس درخت کی طرح ہے جس کا نہ سایہ ہو نہ اس میں پھل ہو) مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنا ہے۔

اس طرح آپ یہ اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے کہ یہ وہ علم ہے جس میں متکلم کو مخاطب کی ذہنی صلاحیت اور مقتضائے حال کے مطابق کلام کرنے کے قواعد سکھائے جاتے ہیں، نیز کسی عبارت سے حقیقی معنی کے علاوہ قرائن اور سیاق وسباق سے جو اور معانی سامنے آتے ہیں یا مفہوم اور مستنبط ہوتے ہیں ان کی تشریح کی جاتی ہے۔

اسی طرح آپ نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ اس علم کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس وقت کیا بات کرنی ہے اور کس طرح کرنی ہے، کہاں معرفہ لانا ہے کہاں نکرہ، کہاں کسی لفظ کو ذکر کرنا ہے کہاں حذف کرنا ہے، کہاں لفظ کو ظاہر کرنا ہے، کہاں اس کو ضمیر کی شکل میں ذکر کرنا ہے، کہاں مختصر گفتگو کرنی ہے، کہاں مفصل۔

سکّاکی نے اپنی جامع عبارت میں ان سب کو جمع کر دیا ہے جس سے اس کی مزید تشریح ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"لا یخفی علیک أن مقامات الکلام متفاوتة، فالشکر یباین مقام الشکایة، ومقام التهنئة یباین مقام التعزیة، ومقام المدح یباین مقام الذم، ومقام الترغیب یباین مقام الترهیب، ومقام الجد في جمیع ذلک یباین مقام الهزل،

وكذا مقام الكلام ابتداء يغاير مقام الكلام بناء على الاستخبار أو الإنكار، ومقام البناء على السؤال يغاير مقام البناء على الإنكار، جميع ذلک معلوم لکل لبيب، وكذا مقام الكلام مع الذكي يغاير مقام الكلام مع الغبي، ولكل من ذلک مقتضى غير مقتضى الآخر، ثم إذا شرعت في الكلام فلكل كلمة مع صاحبتها مقام، ولكل حد ينتهي إليه الكلام مقام، وارتفاع شأن الكلام في باب الحسن والقبول وانحطاطه في ذلک بحسب مصادفة الكلام لما يليق به، وهو الذي نسميه مقتضى الحال".

(آپ سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ کلام کے مقامات یکساں نہیں بلکہ جدا جدا ہوتے ہیں، شکریہ کا انداز شکایت سے مختلف ہوتا ہے، مبارکباد دینے کا طریقہ تعزیت کے طریقہ سے جدا ہوتا ہے، مدح کی بات مذمت سے الگ ہوتی ہے، ترغیب یعنی شوق دلانے کا موقع ترہیب یعنی خوف دلانے سے بالکل علیحدہ ہوتا ہے، پھران تمام مواقع پر اگر سنجیدگی سے بات کرنی ہو تو انداز الگ ہوگا اور اگر یہی باتیں مزاح میں کہی جائیں گی تو ان کا انداز بالکل جدا ہوگا، اسی طرح ایک بات آپ اپنے طور پر کہہ رہے ہیں تو اس کا طرز الگ ہوگا اور اگر کسی کے استفسار کے جواب کے طور پر کہہ رہے ہیں تو لہجہ بدل جائے گا، کسی کے انکار کے بعد اس کو قائل کرنے کے لئے وہی بات کہیں گے تو اس کا آہنگ بدل جائے گا، (ان دونوں حالتوں میں بھی فرق ہوگا کہ سوال ایک ناواقف کا ہے اور وہ سمجھنا چاہتا ہے یا معترض کا ہے اور وہ امتحان میں ڈالنا چاہتا ہے، تو اسی اعتبار سے اس کے جواب میں ان باتوں کی رعایت کرنی ہوگی جن سے کلام کا مقصد پورا ہوسکے)، اہل عقل ودانش یہ باتیں اچھی طرح سمجھتے ہیں، پھر اسی طرح اگر آپ ایک ذہین آدمی سے گفتگو کررہے ہیں تو انداز الگ ہوگا اور اگر ایک کند ذہن سے مخاطب ہیں تو الگ، دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، پھر جب آپ نے گفتگو شروع کردی تو ہر لفظ کا دوسرے لفظ کے ساتھ کیا ربط ہے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، پھر گفتگو میں توقف اور وقف کے کیا مقامات ہیں ان کی بھی رعایت کرنی ہوتی ہے، کلام کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جب اس کے حسب حال ہونے کا خیال رکھا جاتا ہے، اور اگر یہ خیال نہیں رکھا جاتا تو اس کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے، اور اسی کو ہم مقتضائے حال کہتے ہیں)۔

جب آپ عربوں کی شعری ونثری تخلیقات کا مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ وہ شکریہ، معذرت اور تعزیت کے مواقع پر اختصار سے کام لیتے ہیں، اور کسی کی تعریف وتوصیف کے موقع پر یا مرثیہ میں یا تہنیتی کلمات میں اور تقریر وبیان کرتے ہوئے اطناب اور تفصیل سے کام لیتے ہیں، کسی کی مذمت میں سخت الفاظ کے ساتھ تاکید کا استعمال زیادہ کرتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی خصوصیات ہیں۔

اس تفصیل سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ علم معانی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہم اپنے جملوں کو کس طرح مرتب کریں، اور مقتضائے حال کے مطابق کیسے کلام کریں، کہاں جملوں کو مقدم کریں کہاں مؤخر، کہاں پورا جملہ ذکر کریں کہاں حذف سے کام لیں، کہاں معرفہ کا استعمال ہو کہاں نکرہ کا، کہاں ایجاز واختصار سے کام لیں کہاں تفصیل سے گفتگو کریں، اور اس کی جتنی بھی مختلف تعبیرات میں اس کی تعریف کریں ان کا مفہوم یہی ہوگا کہ ہر مقام کے مطابق ایک الگ گفتگو ہوتی ہے، اہل بلاغت کا مشہور جملہ اسی معنی کو بیان کرتا ہے: **"لكل مقام مقال"**۔

جب ہم ان قواعد وضوابط کو ذہن میں رکھتے ہیں تو ہم ماحول کے تقاضہ کے مطابق گفتگو کرپاتے ہیں، اور عربوں کے عام اسلوب اور طرز وادا سے دور نہیں جاتے اور اس طرح ہمارے کلام میں بلاغت کی جھلک پیدا ہوسکتی ہے۔

1.3.3 علم المعانی کی غرض وغایت

ابھی آپ نے پڑھا کہ گفتگو کے مختلف علیحدہ علیحدہ مقامات ہوتے ہیں،خوشی،غم،شکر،شکایت،مبارکباد،تعزیت،سنجیدگی،مزاح وغیرہ،متکلم کے لیےان کی رعایت کرتے ہوئے اپنے کلام کوپیش کرنا علم معانی کا اہم مقصد ہے،اگراس عتبار سے گفتگو کے انداز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتوعلم المعانی کے تقاضہ کے خلاف ہے۔

دوسری بات جس سے علم معانی میں بحث ہوتی ہے اور وہ اس کے اہم مقاصد میں سے ہے کہ مزید کلام سے ضمناً کیا فائدے حاصل ہورہے ہیں، یہ دیکھا جائے،اوراس کے قرائن کا مطالعہ کرکے ان تک پہنچنے کی کوشش کی جائے،اس لیے کہ ایک تو کلام کے حقیقی معنی ہوتے ہیں جس کے لیےاسے تخلیق کیا جاتا ہے یا وضع کیا جاتا ہے،لیکن کبھی ساتھ ہی اس کے دوسرے معنی بھی ہوتے ہیں جو سیاق وسباق سے معلوم ہوتے ہیں،اور موقع ومحل یا شان ورود کی واقفیت سے وہ معنی کھلتے ہیں۔

علم معانی کا ایک مقصد یہ ہے کہ انسان درخواست اورگذارش کی جگہ حکم کا انداز یاعاجزی اورتواضع کی جگہ فخریہ انداز اختیار نہ کرے،تعزیت کے موقع پر ہنسنے ہنسانے کا انداز یامبارکبادی کے موقع پر منھ بسورنے اور غم انگیز ماحول پیدا کرنے کا طریقہ اختیار نہ کرے،شکریہ ،شکایت،مبارکبادی،تعزیت،سنجیدگی اور مذاق اوران کے علاوہ مختلف حالات میں ان کے مطابق کلام کی مناسب شکل اختیار کی جائے،کبھی عقل وقلب دونوں کے تقاضوں کی رعایت کی جاتی ہے،عقل کومطمئن کرنے والا منطقی انداز بھی ہوتا ہےاور دل کومطمئن کرنے والا جذباتی اسلوب بھی اور کبھی موضوع کے لحاظ سےان میں سے صرف ایک پر ہی اکتفا کرنا ہوتا ہے،یہی علم المعانی کی غرض وغایت ہے۔

معلومات کی جانچ

1- علم المعانی کی تعریف کیا ہے؟

2- علم المعانی کی سکاکی نے کیا تعریف کی ہے؟

3- علم المعانی کی غرض وغایت کیا ہے؟

1.4 بلاغت کی اقسام اور علم المعانی کے مباحث

1.4.1 بلاغت کی اقسام

اپنے ذہنوں میں تازہ کرلیں کہ بلاغت کے تین مشہور علوم ہیں: معانی، بیان اور بدیع۔

علم بیان: بیان کا لفظی مطلب ہے کہ کھول کر بات کرنا یا ظاہر کرنا،ادب کی اصطلاح میں علم بیان ایسے قاعدوں اور ضابطوں کے مجموعہ کا نام ہے جس کو جان لینے کے بعد ہم ایک ہی بات یا مضمون کومختلف طریقوں سے ادا کرسکیں،اوران میں سے ہر طریقہ دوسرے سے زیادہ واضح اور مؤثر ہو،اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کلام کے سمجھنے میں غلطی کا امکان کم ہواور معانی میں خوبصورتی پیدا ہو، یہ علم بلاغت کی ایک شاخ ہے،کسی لفظ کواس کے حقیقی معنوں میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اورمجازی معنوں میں بھی،اس علم کے ذریعے سے تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجازمرسل وغیرہ کی مدد سے ایک معنی کو کئی انداز سے بیان کیا جاتا ہے،جن کے لیے لغت سے استناد نہیں کیا جاسکتا،یعنی ان کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے لغت سے مدد نہیں مل سکتی بلکہ اس کے

لیے علم بیان کو سمجھنا ضروری ہے۔

علم بدیع: فصیح و بلیغ کلام کو مختلف لفظی یا معنوی خوبیوں سے آراستہ کرنے کو علم بدیع یا بدائع اور صنائع کہتے ہیں، اس علم سے کلام کو مزین کرنے اور خوش نما بنانے کا سلیقہ آتا ہے، یعنی اس علم کی بدولت سجع، تجنیس، ترصیع، توریہ اور اسی قبیل کے دوسرے محاسنِ کلام کے ذریعے سے انسان اپنے کلام کو آراستہ کرتا ہے، یہ وہ علم ہے جس کی بدولت یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلام، گفتگو یا تحریر میں خوبصورتی کیسے پیدا کی جاسکتی ہے، کلام کی آرائش و زیبائش کن طریقوں سے ہوتی ہے، اور اس میں شستگی اور شگفتگی کس طرح پیدا ہوتی ہے، اس مقصد کے لیے اپنائے گئے تمام طریقوں کو صنائع یا محسنات کہا جاتا ہے، اور یہ طریقے صرف حسن کلام کے لیے اپنائے جاتے ہیں یعنی ان کے استعمال نہ کرنے سے کلام کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر انہیں استعمال کیا جائے تو کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

علم معانی: یہ بھی علم بلاغت کی اہم شاخ ہے، اور اس کا تعلق الفاظ کے ان استعمالات سے ہے جن کے لیے وہ بنیادی طور پر تخلیق کیے گئے ہوں، اس علم کی مدد سے گویا الفاظ کو ان کے حقیقی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، گو کہ موقع ومحل کے اعتبار سے ان کے انداز بدلتے رہتے ہیں۔

بلاغت کے ماہرین اس فرق کو اس طرح سمجھاتے ہیں:

"إذا كان البحث في طرائق تقديم المعنى الواحد بصور تعبيرية مختلفة فذلك هو علم البيان بما فيه من تشبيه واستعارة ومجاز وكناية".

(اگر ایک ہی معنی کو مختلف تعبیرات کی شکل میں پیش کرنے کی بحث ہو تو یہ علم بیان ہے جس میں تشبیہ، استعارہ، مجاز اور کنایہ وغیرہ کی بحثیں آتی ہیں)۔

" إذا كان البحث في التركيب اللغوي ووجوه تحسينه وتزيينه وزخرفته فذلك هو علم البديع".

(اور اگر لغوی ترکیب، اور اس کو شستہ و شگفتہ اور مسجع و مرصع بنانے کی بحث ہو تو اسے علم بدیع کہتے ہیں)۔

"إذا كان البحث في احتمال اللفظ الواحد والتركيب اللغوي الواحد لمعان متعددة فذلك هو علم المعاني بما فيه من خبر وإنشاء وأنواع كل منهما".

(اور اگر ایک ہی لفظ اور ایک ہی لغوی ترکیب کے اندر متعدد معانی کا احتمال ہو (قرینہ کے اعتبار سے اس کے معنی بدلتے ہوں، یا الگ انداز سے بات کہنے کی ضرورت ہوتی ہو) تو علم معانی ہے، جس میں خبر، انشاء اور اس کی اقسام سے بحث ہوتی ہے)۔

1.4.2 علم المعانی کے مباحث

علم المعانی میں آٹھ ابواب سے بحث ہوتی ہے:

(1) احوالِ اسنادِ خبری۔

(2) احوالِ مسند الیہ۔

(3) احوالِ مسند۔

(4) احوالِ متعلقاتِ فعل۔

(5) انشاء۔

(6) قصر۔

(7) فصل و وصل۔

(8) ایجاز، اطناب اور مساوات۔

معلومات کی جانچ

1- معانی، بیان اور بدیع میں کیا فرق ہے؟

2- علم المعانی کے مباحث کیا ہیں؟

1.5 علم المعانی کا موضوع، فوائد اور بلاغت پر اس کے اثرات

1.5.1 علم المعانی کا موضوع

علم المعانی کا موضوع لفظ عربی ہے اس حیثیت سے کہ وہ اپنے اندر کیا معنی رکھتا ہے، اور معنی سے مراد دونوں معنی ہیں، ایک تو وہ معنی جس کو نحو میں اصل معنی کہتے ہیں یعنی جو الفاظ سے ظاہر ہے، دوسرا وہ معنی جو کلام کا مقصود ہے، مثلا: "إن زيدًا لقائم" اس جملہ کا ایک معنی تو یہ ہے کہ زید یقیناً کھڑا ہے؛ لیکن دوسرا معنی یا مقصد اس جملہ کو اس تاکیدی انداز میں کہنے کا یہ ہے کہ مخاطب کو باور کرا دیا جائے کہ زید کھڑا ہوا ہے، اس میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ورنہ "زيد قائم" (زید کھڑا ہے) کہنا بھی کافی تھا۔

1.5.2 علم المعانی کے فوائد

1۔ سب سے پہلا اور عظیم فائدہ تو قرآن کریم کے اعجاز معانی کو جاننا ہے کہ کس طرح قرآن مجید ادب و بلاغت کا شاہکار ہے، اور عام انسانی کلام سے ممتاز ہے، اور اسی مقصد سے اس علم کا آغاز ہوا، عربوں کو چوں کہ فصاحت و بلاغت کا دعوی تھا اور یہ ان کا امتیاز تھا، وہ دوسری قوموں کو عجمی سمجھتے تھے اور وہ قرآن کریم کے مخاطب اول تھے، اس لیے قرآن کریم نے ان کو اس بنیاد پر چیلنج کیا کہ وہ اس سے بہتر نمونہ لا کر دکھائیں، وہ اس میں ناکام رہے، بلکہ ان کے اہل علم اور اہل ذوق نے اس کے معجز ہونے کا اقرار کیا کہ اس جیسا کلام پیش کرنا انسان کے بس میں نہیں۔

ولید بن مغیرہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، آپ کو قرآن کریم کی بعض آیتیں تلاوت کرتے ہوئے سنیں تو اتنا متاثر ہوئے

کہ وہ بھاگے ہوئے قریش کے بعض سرداروں کے پاس آئے اور کہا کہ:''**واللہ لقد سمعت من محمد کلاماً ما هو من كلام الإنس، ولا من كلام الجن، وإن له لحلاوة، وإن عليه لطلاوة، وإن أعلاه لمثمر، وإن أسفله لمغدق**''(خدا کی قسم میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کلام پڑھتے سنا ہے کہ جو نہ تو انسانوں کا کلام ہوسکتا ہے اور نہ جنات کا، اس میں تو بڑی مٹھاس اور بڑا بانک پن اور دل کشی ہے، اس کا اوپری حصہ (ظاہری الفاظ) بڑا پھل دار اور اس کا نچلا حصہ بہت زیادہ پانی والا ہے (معانی اور مطالب کے لحاظ سے بہت دقیق اور گہرا ہے)، اس اعتبار سے قرآن کریم کا بنیادی اعجاز اعجازِ بیانی اور اعجازِ معانی قرار پایا۔

قرآن کے اس اعجاز کو چار خانوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

1۔ مفردات کا اعجاز۔

2۔ جملوں اور ترکیبوں کا اعجاز۔

3۔ اسلوب کا اعجاز۔

4۔ نظمِ قرآن یعنی آیات کے درمیان ربط کا اعجاز۔

ہم مختصر طور پر یہاں صرف چند ترکیبوں کا ذکر کرتے ہیں، مختلف ترکیبیں قرآن نے ایسی استعمال کی ہے کہ جن سے بہت سی گتھیاں سلجھ گئیں، مثلاً قاتل سے انتقام لینا ایک کمال سمجھا جاتا تھا۔ اس کی ترغیب کے لیے مختلف جملے زبان زد تھے، مثلاً'' **القتل أنفى للقتل**''(قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے)، یا''**کثّروا القتل لیقل القتل**'' (قتل زیادہ کرو، قتل کی وارداتیں کم ہوجائیں گی)، لیکن قرآن نے اس کے لیے استعمال کیا: ﴿**ولكم في القصاص حيٰوة**﴾(البقرة: 179) (اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے)، یہ ترکیب مختصر سی ہے لیکن معانی میں وسعت ہے، اور انداز بھی مثبت ہے۔

کسی چیز کی وسعت کو بیان کرنے کے لیے مختلف جملے تھے، لیکن ساری وسعتوں کی ایک انتہا تھی، قرآن نے جہنم کی وسعت کو بیان کرتے ہوئے کہا: ﴿**یوم نقول لجهنم هل امتلئت وتقول هل من مزيد**﴾ (ق:30) (جس روز ہم جہنم سے پوچھیں گے: کیا تو سیر ہوگئی تو وہ پکار اٹھے گی کیا کچھ اور ہے) اس وسعت کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔

قرآن ہر مضمون کو بلیغ وفصیح اسلوب میں بیان کرتا ہے خواہ وہ ترغیب وترہیب ہو، یا رزم وبزم، جنت وجہنم کا بیان ہو یا پھر دنیا کی مذمت کا ذکر، انبیاء وصالحین کے کردار کا تذکرہ ہو یا پھر سرکش اور باغی افراد کی عبرت آموز داستان، ہر ایک کو اسی مضمون کے مناسب جوش وخروش اور شوکت وصولت والے الفاظ وانداز میں بیان کرتا ہے جو اس خاص موقع کا تقاضہ ہو، پھر مخاطب بھی ہر قسم کے ہیں، اعلی درجے کے ماہرین بھی، تو متوسط طبقہ کے فصیح وبلیغ بھی، نیز عام لوگ بھی، قرآن کریم باوجودیکہ بلاغت کی تمام اقسام پر مشتمل ہے لیکن اس کے ہر طرح کے مخاطب بیک وقت متأثر ہوتے ہیں، اور ہر کوئی سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ قرآن کا اصل خطاب اسی سے ہے۔

2 -اس کا دوسرا فائدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بلاغت کو سمجھنا، چونکہ آپ ﷺ کے کلام کے انداز اور مخاطب کے لحاظ سے اس میں تنوع دونوں میں فصاحت وبلاغت کے نمونے موجود ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ **أفصح العرب** (عربوں میں سب سے زیادہ فصیح) تھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے خود اس کی وضاحت فرمائی ہے، حضرت عائشہ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ رسول اکرم

ﷺ یوں گفتگو نہیں فرماتے تھے جس طرح تم لوگ باتیں کرتے چلے جاتے ہو بلکہ وہ ایسے انداز میں کلام کرتے تھے جو واضح اور صاف ہوتا جسے آپ ﷺ کے پاس بیٹھنے والا یاد کر لیتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی زبان فصیح تھی اور کلام بلیغ تھا، الفاظ پر رونق، عبارت دلنشیں ہوتی تھی، اس میں تکلف نہ تھا، آپ ﷺ کو ’’ جوامع الکلم‘‘ عطاء ہوئے، مختصر الفاظ میں بہت سی ضروری باتیں سمیٹ لیتے تھے، عربوں کے مختلف لہجوں کا آپ ﷺ کو علم عطا ہوا تھا، آپ ﷺ ہر قبیلہ سے اس کی زبان میں بات چیت کرتے، چنانچہ قریش، انصار، اہل حجاز اور اہل نجد کے ساتھ گفتگو میں جو انداز بیان اختیار کرتے وہ اس اسلوب کلام سے مختلف ہوتا تھا جو آپ ﷺ قحطانی عربوں کے ساتھ بات چیت کے دوران اختیار کرتے تھے۔

3- تیسرا فائدہ عام عربی شعر و نثر کے بیش قیمت ذخیرہ کی بلاغت کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرنا ہے تا کہ قیمتی اور بے قیمت کلام میں فرق معلوم ہو سکے۔

4- علم معانی سے کلام کی ترکیبی خصوصیت بھی معلوم کی جا سکتی ہے، اور ایک ہی مقصد کے لیے دو مختلف اسلوب میں کیوں گفتگو کی جاتی ہے، اس کے اسباب کیا ہوتے ہیں، یہ بھی معلوم ہوتا ہے، یہ بات فطری ذوق سے بھی پیدا ہوتی ہے، اور کسی حد تک سیکھ کر بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

5- علم معانی سے واقفیت کے نتیجہ میں ہم برمحل گفتگو کرنے کے عادی بنتے ہیں اور زیادہ مؤثر ہو پاتے ہیں، چونکہ مختلف لوگوں کے بولنے کے انداز پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ بعض لوگوں کی گفتگو شگفتہ اور سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ جلد ذہن نشیں بھی ہو جاتی ہیں، اور ان کا مطلب جلد سمجھ میں آ جاتا ہے، وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان لوگوں کو اپنی بات بیان کرنے کا صحیح طریقہ آتا ہے، بعض لوگوں کو وقت اور موقع محل کی رعایت کرتے ہوئے بات کہنی نہیں آتی، اور وہ برمحل الفاظ استعمال نہیں کر پاتے، اس لیے ان کی بات واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتی۔

1.5.3 بلاغت پر علم المعانی کے اثرات

اس عنوان کے تحت ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ بلاغت پر معانی کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ جیسا کہ آپ نے پڑھا کہ اس موضوع پر لکھنے والے ماہرین کے سامنے دو مقاصد تھے، پہلا مقصد خاص تھا اور دوسرا عام، خاص مقصد قرآن کریم کے اعجاز اور حدیث رسول ﷺ کی بلاغت کو نمایاں کرنا تھا، اسی لیے اعجاز قرآن پر جو ابتدائی کتابیں لکھی گئیں ان میں قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے اسرار و رموز کو کھولنے کی کوشش کی گئی، عبد القاہر جرجانی نے اس موضوع کو زیادہ نمایاں کیا، یہ خالص دینی مقصد تھا۔

دوسرا مقصد عام تھا، جو خالص دینی نہیں تھا؛ بلکہ اس کا مقصد قرآن و حدیث کے علاوہ کلام عرب کی بلاغت و فصاحت سے بحث کرنا تھا، اس میں نثر و شعر دونوں شامل ہیں، اس لیے جس شخص کو بلاغت کے مسائل کا علم نہ ہو وہ بلیغ اور غیر بلیغ، یا بلیغ اور زیادہ بلیغ کے درمیان فرق نہیں کر سکتا، ہلال عسکری (وفات: 395ھ) کے مطابق جو شخص عمدہ اور ردّی کلام، موزوں اور ناموزوں لفظ، نادر (قیمتی) اور بارد (پھیکے) شعر کے درمیان فرق نہیں کر سکتا، اس کا جہل اور نقص ظاہر ہو جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ دیکھیں کہ کسی جملہ کو بلیغ بنانے میں معانی اپنا کیا کردار ادا کرتا ہے، علم معانی دو طرح سے اپنی تاثیر دکھاتا ہے، ایک تو یہ علم یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ کوئی بھی بات سامعین اور قارئین کے معیار کے مطابق کی جائے اور ان حالات کی بھی رعایت کی جائے جن میں یہ بات کہی جا رہی ہے، دوسرے یہ کہ جو بات بھی کی جائے قرائن کی روشنی میں اس بات کی تہہ میں اور مزید کیا باتیں چھپی ہوئی ہیں ان کو جاننے کی کوشش کی

جائے۔

اس بات کی مزید وضاحت کے لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علم معانی کے مباحث کا کام یہ واضح کرنا ہے کہ کلام میں سامعین وقارئین اور موقع محل کی رعایت ضروری ہے، اور کلام بلیغ نہیں کہا جاسکتا جب تک اس میں یہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں، بات کس کے لیے کہی یا لکھی جارہی ہے اور کہاں کہی یا لکھی جارہی ہے، آپ کا مخاطب جس سے آپ کوئی بات کہنا چاہ رہے ہیں اس کی تین حالتوں میں سے کوئی ایک حالت ہوسکتی ہے:

1 - یا تو وہ خالی الذہن ہے، اس کو بغیر کسی تاکید کے صرف بات بتادینا کافی ہے۔

2 - دوسری حالت یہ ہوسکتی ہے کہ آپ اس کو جو بات کہنے جارہے ہیں اس کا ادھورا علم ہے، اور اسے اس سلسلہ میں کوئی شک بھی ہے، تو اس کے لیے بلاغت یہ ہے کہ تاکید کے ساتھ اس سے بات کہی جائے اور اس کے شک کو دور کر کے اس میں یقین پیدا کیا جائے۔

3 - تیسری حالت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ اس بات سے واقف ہے؛ لیکن اس کا منکر ہے، اس کا قائل نہیں، تو اس کو قائل کرنے کے لیے تاکید در تاکید کی ضرورت ہوگی، یہ علم المعانی کا ایک حسن ہے۔

اس کا دوسرا حسن یہ ہے کہ ہر انسان سے اس کی فہم اور زبان وادب میں اس کے معیار کے مطابق بات کی جائے، ایک عامی شخص سے اس زبان میں بات نہ کی جائے جس زبان میں ایک ادیب سے بات کی جاتی ہے، اسی طرح اس کے برعکس، جہاں بات ایجاز اور اختصار کے ساتھ کہنی ہو وہاں اس طرح کہی جائے، اور جہاں تفصیل اور اطناب کا موقع ہے وہاں اس سے فائدہ اٹھایا جائے، ایک ذہین آدمی سے کوئی بات کہنی ہو تو اس کے لیے اشارہ بھی کافی ہے، اور اگر کسی کند ذہن یا مغرور سے کوئی بات کہنی ہے تو تفصیل سے سمجھا کر کہنی چاہیے، تب اسے بلاغت کے زمرہ میں شامل کیا جائے گا، جعفر بن یحی (وفات: 187ھ) سے ان کا یہ قول منقول ہے: ''جہاں مختصر بات کہنے کا موقع ہو وہاں زیادہ بولنا جہالت ہے، اور جہاں تفصیل سے بات کرنے کی ضرورت ہو وہاں کنایہ میں بات کہنا کوتاہی ہے''۔

معانی کا تعلق فکر اور معنی دونوں سے ہے، اس علم سے جہاں ہم یہ سیکھتے ہیں کہ موقع ومحل کی رعایت کرتے ہوئے ہمیں کون سی تعبیر استعمال کرنی ہے، اسی طرح یہ علم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جو خیال ہمارے ذہن میں ہے اسے مناسب لفظ کا پیکر کس طرح دینا ہے، یا جملہ میں جو سابقہ لاحقہ ہے اس میں کتنی واقعیت ہے اور تقاضہ کی رعایت ہے۔

اسی قبیل سے وہ واقعہ ہے جو ایک بدو کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس نے ایک قاری کو پڑھتے ہوئے سنا:

﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاءً بما كسبا نكالا من الله﴾ (المائدة: 38)

(اور چور مرد، اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کے کیے کی پاداش اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا کے طور پر)

پھر اس نے پڑھا: ''والله غفور رحیم'' (اور اللہ مغفرت کرنے والا اور رحیم ہے)۔ تو اعرابی کو تعجب ہوا کہ سزا کے بعد مغفرت اور رحمت جیسی صفات کیسے ذکر ہوں گی؟ تو اس نے سوال کیا تو قاری کو تنبہ ہوا اور اس نے دوبارہ صحیح قراءت کرتے ہوئے پڑھا: ﴿والله عزیز حکیم﴾ (اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔) اس وقت اس اعرابی نے کہا: ''الآن استقام المعنی'' (کہ اب معنی صحیح ہوگئے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عربوں کو فطرۃً یہ بات مستبعد معلوم ہوتی تھی کہ کوئی بات سیاق کے خلاف کہی جائے، جیسے اس اعرابی نے یہ محسوس کیا کہ جہاں چور کے ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے اور اس کو سخت سزا کی دھمکی دی جارہی ہے، وہاں معاف کرنے اور رحم کرنے کا ذکر کس طرح ہوسکتا ہے، یہاں

تو"عـزیز" اور"حـکیم" کی صفات ہی مناسب حال ہیں کہ وہ"عـزیز" یعنی عزت اور غلبہ والا بھی ہے کہ اپنے حکم کی شدید خلاف ورزی کرنے والے کے لیے جو چاہے سزا تجویز کرسکتا ہے؛ لیکن ساتھ ہی "حـکـیـم" بھی ہے، اس کی حکمت یہی ہے کہ سزا اپنی مناسب مقدار سے کم یا زیادہ نہ ہونے پائے؛ بلکہ جرم کے برابر یا اس کے قریب قریب ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم بیان کے ذریعہ ایک بات کو متنوع اسالیب میں پیش کیا جاسکتا ہے، اور بدیع کے ذریعہ اس میں شگفتگی پیدا کی جاسکتی ہے، لیکن کلام مؤثر اسی وقت ہوگا جب موقع ومحل اور مخاطب کی رعایت کے ساتھ کیا جائے گا، اور بلاغت کے یہی معنی ہیں کہ بلند معانی کو واضح تعبیرات والفاظ میں ماحول کی رعایت کرتے ہوئے ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ مخاطب پر اثر انداز ہو، اس طرح بلاغت پر علم معانی کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

معلومات کی جانچ

1- علم المعانی کے فوائد ذکر کیجیے۔

2- بلاغت پر علم المعانی کے اثرات کا جائزہ لیجیے۔

1.6 علم المعانی کی اساس، ابتدا اور نشو ونما

1.6.1 علم المعانی کی اساس

علم معانی کی اصل وہ نظریہ ہے جو عبد القاہر جرجانی (وفات: 471ھ) نے "نظم" کے عنوان سے پیش کیا تھا، اور نظم سے مراد اُن کی یہ ہے کہ کلام کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر معلق کیا جائے، نظم میں دو باتیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ اس معنی اور مضمون پر توجہ دی جائے جو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں، دوسرے یہ کہ اس کے مناسب حال اس کے لیے ہم کون سے الفاظ منتخب کرتے ہیں، اگر ہمارا مقصود بدل جائے تو الفاظ بھی بدلنا ضروری ہے، اگرچہ مضمون ایک ہی ہو یعنی ایک ظاہری شکل ہے اور ایک وہ معنی جس کے لیے ہم جملہ کو ایک خاص قالب میں ڈھالتے ہیں، اس کو دو مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے، پہلی مثال: "**إنما المتنبي شاعر**" (متنبّی تو شاعر ہے)، یہ جملہ مثلاً اس وقت کہا جاتا ہے جب دو لوگوں میں بحث ہو رہی ہو، ان میں ایک کی رائے یہ ہو کہ متنبّی حکیم ودانا تھا شاعر نہیں، تو دوسرا کہتا ہے نہیں وہ تو شاعر ہے، اس جملہ کی ساخت اس وقت بدل جائے گی جب ہمیں کسی دوسرے شاعر سے متنبّی کا مقابلہ کرتے ہوئے بتانا ہو کہ وہ بڑا شاعر ہے، مثلاً سوال ہو کہ ابو تمام بڑا شاعر ہے یا متنبّی؟ یا یہ کہ بحتری بڑا شاعر ہے یا متنبّی؟ تو ہم کہتے ہیں: "**إنما الشاعر المتنبي**" (شاعر تو متنبّی ہی ہے)۔

ایک اور مثال لیجیے: "**أتقرأ أولاد حارتنا ؟**" (کیا آپ نجیب محفوظ کی ناول "**أولاد حارتنا**" پڑھ رہے ہیں؟)، یہ جملہ مثلاً اس وقت کہہ سکتے ہیں جب ایک طالب علم جس کا کل صبح امتحان ہو وہ اپنی نصابی کتاب چھوڑ کر اس کتاب کے مطالعہ میں منہمک ہو، لیکن اگر کسی سے یہ کہنا ہے کہ اور کوئی کتاب نہیں ملی آپ "**أولاد حـارتنـا**" جیسی کتاب کیوں پڑھ رہے ہیں؟ تو اسے اس طرح کہیں گے: "**أكـتـاب أولاد حـارتـنـا تقرأ؟**"۔

دونوں جملوں میں یہ فرق شوقیہ نہیں کیا گیا بلکہ معنوی فرق اور ماحول کا تقاضہ تھا کہ الفاظ میں تقدیم وتاخیر کی جائے، گویا بولنے میں الفاظ کی

ترتیب ذہن ودماغ میں پائے جانے والے معنی کی ترتیب کے مطابق ہوتی ہے، یہی وہ نظم ہے جس کی طرف جرجانی نے اشارہ کیا ہے۔

اسی سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں تقدیم وتاخیر کیوں ہوتی ہے؟ مثلا: "ذلک الکتاب لا ریب فیه" (البقرة: 2) (اس کتاب میں کوئی شک وشبہ نہیں) اور دوسری جگہ ہے: "لا فيها غول ولا هم عنها ينزفون" (الصافات: 47) (نہ اس میں چکر آئے گا نہ پینے والے اس سے بہکیں گے)۔

پہلی مثال میں "فیه" بعد میں ہے اور "ریب" کا لفظ "فیه" جو جار ومجرور ہے اس سے پہلے ہے، اور دوسری مثال میں "فيها" پہلے ہے، اور لفظ "غول" "فيها" جو جار ومجرور ہے اس کے بعد آیا ہے، چونکہ پہلی مثال میں صرف قرآن سے شک کی نفی کرنا مقصد ہے اور کسی دوسری کتاب سے اس کا مقابلہ کرنا مقصد نہیں جبکہ دوسری مثال میں دنیا کی شراب کے مقابلہ میں یہ بتانا ہے کہ اس سے چکر نہیں آئے گا جیسا کہ دنیا کی شراب کا یہ عیب ہے کہ اس سے انسان بدمست ہوجاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بے شمار برائیوں میں پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

یہی نظم کا نظریہ ہے اور اسی کی عملی تطبیق کو علم المعانی کہتے ہیں۔

1.6.2 علم المعانی کی ابتدا

ابتدا میں بلاغت کا علم ایک اکائی کے طور پر پڑھا اور پڑھایا جاتا تھا، اس میں یہ تین قسمیں: بیان، بدیع اور معانی نہیں پائی جاتی تھیں، بلاغت کی ابتدائی کتابوں میں ہمیں ایسا ہی نظر آتا ہے کہ بلاغت کی تینوں اقسام ایک دوسرے کے ساتھ ضم کرکے بیان کی گئی ہیں، پھر رفتہ رفتہ یہ تینوں قسمیں مستقل تین علوم کی شکل اختیار کرتی گئیں، لیکن پھر بھی زیادہ تر مصنفین ان کو خلط ملط کرہی دیتے تھے، یہی صورت حال تھی جب پانچویں صدی ہجری میں عبدالقاہر جرجانی (وفات: 471ھ) کا دور آیا، جرجانی نے باضابطہ طور پر علم معانی کا نظریہ اپنی کتاب "دلائل الإعجاز" میں پیش کیا جبکہ علم بیان کا نظریہ اپنی کتاب "أسرار البلاغة" میں پیش کیا، اس سے پہلے ابن المعتز (وفات: 296ھ) علم بدیع کا نظریہ اپنی کتاب "البدیع" میں پیش کرچکے تھے، اس طرح یہ تینوں علوم ایک دوسرے سے ممتاز ہوکر بیان ہونے لگے، گویا بلاغت ایک درخت ہے جس کی تین شاخیں ہیں، اور یہی شاخیں پھیل کر مستقل چھوٹے چھوٹے درختوں کی جگہ لے چکی ہیں۔

اس طرح دیکھا جائے تو عربی زبان میں عبدالقاہر جرجانی علم بیان کے ساتھ ساتھ علم معانی کے بھی بانی ہیں، اور انہوں نے دونوں علم کو جوڑ کر ایک اکائی بنادی ہے جس کے ساتھ ہم بدیع کو ملاکر ایک مکمل علم کا مطالعہ کرتے ہیں جسے بلاغت کہتے ہیں۔

1.6.3 علم المعانی کی نشوونما اور ابتدائی کتابیں

جرجانی کے علمی کاموں کے اختصار اور تلخیص کی طرف سب سے پہلے فخر الدین رازی (وفات: 606ھ) نے توجہ کی، اور "نهاية الإيجاز في دراية الإعجاز" لکھی، اس کتاب میں انہوں نے جرجانی کی دونوں کتابوں "دلائل الإعجاز" اور "أسرار البلاغة" کی تلخیص کی، وہ خود فرماتے ہیں: "جب اللہ تعالی نے مجھے "دلائل الإعجاز" اور "أسرار البلاغة" کے مطالعہ کی توفیق دی تو میں نے ان دونوں سے اہم فوائد کا انتخاب کرلیا، اور عقلی قواعد کے سلسلہ میں متفرق معلومات یکجا کردیں"۔

پھر رازی کے ساتھ ساتھ اور اسی زمانہ میں ایک بڑے عالم ابھر کر سامنے آئے، جن کو فلسفہ ومنطق، اصول فقہ، عربی زبان وادب اور بلاغت میں کمال حاصل تھا، خصوصا بلاغت پر ان کے گہرے اثرات پڑے، یہ سراج الدین ابویعقوب یوسف سکاکی (وفات: 626ھ) کی شخصیت

تھی، انہوں نے اس فن کو آگے بڑھایا اور قواعد کی مزید وضاحت کی جس سے یہ فن اور نکھر کر سامنے آیا، انہوں نے "مفتاح العلوم" نامی ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے پانچ چیزوں سے بحث کی:

1- صرف۔

2- نحو۔

3- معانی اور بیان۔

4- علم استدلال یا ترکیب کلام کی خاصیات کا علم۔

5- علم شعر۔

آپ نے دیکھا کہ رازی کے بعد اس میدان میں سکا کی کا نام ملتا ہے، جو "مفتاح العلوم" کے مصنف ہیں، دیکھا جائے تو ان کی یہ کتاب اصلا چار ہی موضوعات سے بحث کرتی ہے:

(1) علم الصرف.

(2) علم النحو.

(3) علوم البلاغة (صرف بیان اور معانی)۔

(4) علم الشعر.

علم استدلال کا تعلق معانی سے ہی ہے، مزید وضاحت کے لیے انہوں ن نے عناوین بڑھا دیئے ہیں۔

رازی اور سکا کی سے پہلے زمخشری (وفات: 538ھ) "أساس البلاغة" لکھ چکے تھے، ہاں یہ کتاب اصلاً لغت کے طرز پر ابجدی ترتیب سے لکھی گئی ہے، مثلاً: أبـــد اور اس سے متعلق الفاظ وتعبیرات اور محاورات ذکر کئے جاتے ہیں، اور اس کے حقیقی ومجازی معنی وغیرہ ذکر کئے جاتے ہیں، سکا کی نے جرجانی، زمخشری اور فخر الدین رازی کی تحریروں کی روشنی میں دو کام کئے:

1 -ایک تو ان ماہرین کی آراء کو خلاصہ کی شکل میں جمع کر دیا، اور ساتھ ہی وہ افکار جو خود ان کی ذاتی محنت اور شخصی ذوق کے نتیجہ میں سامنے آئے تھے ان کو بھی نقل کر دیا۔

2 -دوسرے یہ کہ ان سب کو انہوں نے قواعد کی شکل دے دی، اور تعریف وتقسیم پھر تقسیم در تقسیم کے جو منطقی طریقے رائج تھے انہیں طریقوں پر اپنی کتاب کو ڈھال دیا۔

سکا کی سے پہلے اصل زور اس پر تھا کہ کلام کے حسن وجمال اور اس کی خوبیوں کو نمایاں کیا جائے، ذوق کی تربیت کی جائے اور عربی تحریروں اور خاص طور سے قرآن مجید کی ادبی جمالیات کو بیان کیا جائے، اصل مقصد قواعد کو بیان کرنا نہیں؛ بلکہ ادبی ملکہ پیدا کرنا تھا؛ لیکن سکا کی نے اس فن کو منطقی بنیادوں پر مرتب کیا اور اسے ایک مستقل علم بنا دیا جس کے مخصوص قواعد ونظریات مرتب ہو گئے۔

اس سے یہ تو فائدہ ہوا کہ بلاغت کے قواعد مرتب ہو گیے؛ لیکن جرجانی کے بعد اس فن میں کوئی جدت یا اضافہ نظر نہیں آتا، بلکہ انہیں قواعد کو بلاغت پر لکھنے والے دوہراتے رہے ہیں جو جرجانی نے وضع کر دیئے تھے، اور اس میں افراط وتفریط کے بھی متعدد نمونے ملتے ہیں، تفریط یہ کہ ان

قواعد کو اتنا مختصر کیا گیا کہ وہ چیستاں اور پہیلی بن گئے، اور اب اس الجھاؤ کو ختم کرنے کے لیے یہ افراط کی گئی کہ ان قواعد کی طویل ترین تشریحات کی گئیں حتی کہ ان میں اصل علم کھو کر رہ گیا، اور بلاغت کے ماہرین پیدا کرنے میں یہ طرز ناکام رہا؛ چوں کہ یہ خالص ذوقی چیز تھی اور آج بھی ہے، اسی لیے قواعد سے مدد ضرور لینی چاہیے؛ لیکن براہ راست ادبی عبارتوں میں غور وفکر کے ذریعہ نئے نئے معانی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس سے یہ فن اور ترقی کر سکتا ہے اور نئے گوشے سامنے آسکتے ہیں۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سکاکی کے بعد یہ فن جمود کا شکار ہو گیا، اور اس کے بعد یا تو ان کی کتاب کی شرحیں لکھی گئیں یا اس کی تلخیص پر مشتمل کتابیں تیار ہوئیں، ذیل میں ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے:

1.6.3 "مفتاح العلوم" کی شروحات وتلخیصات

1 -قطب الدین محمد شیرازی (وفات: 710ھ) نے "مفتاح العلوم" کے عنوان سے اس کتاب کی شرح لکھی۔

2 - محمد بن مظفر خلخالی (وفات: 745ھ) نے "شرح المفتاح" کے نام سے شرح لکھی۔

3 - سید شریف جرجانی (وفات 816ھ) نے مفتاح کی تیسری قسم کی شرح لکھی۔

4 - ابن کمال پاشا (وفات: 940ھ) نے بھی مفتاح کی شرح لکھی۔

5 - بدرالدین بن مالک (وفات: 668ھ) نے "المصباح في اختصار المفتاح" کے نام سے اس کی تلخیص کی۔

6 - خطیب قزوینی (وفات: 739ھ) نے "تلخیص المفتاح" لکھی۔

7- عبدالرحمٰن شیرازی (وفات: 756ھ) نے بھی تلخیص کی اور اپنی کتاب کا نام رکھا: "الفوائد الغیاثیة في علوم المعاني والبیان والبدیع".

ان میں خطیب قزوینی کا خلاصہ "تلخیص المفتاح" زیادہ مشہور ہوا، اس تلخیص کی مختلف شروحات لکھی گئیں، تفصیل درج ذیل ہے:

1۔قزوینی نے خود ہی اس کی شرح لکھی اور "إیضاح التلخیص" اس کا نام رکھا، نیز "دلائل الإعجاز" اور "أسرار البلاغة" سے اس میں کچھ اضافے بھی کئے۔

2۔قزوینی کی کتاب کی دوسری شرح خلخالی نے "مفتاح تلخیص المفتاح" کے نام سے لکھی۔

3۔سعدالدین تفتازانی (وفات: 793ھ) نے اس کی نے دو شرحیں لکھیں: (1) شرح کبیر اور (2) شرح صغیر۔

شرح کبیر "المطوّل" کے نام سے مشہور ہوئی، اور شرح صغیر جو بعد میں "شرح کبیر" کے اختصار کے طور پر لکھی گئی اس کا نام "مختصر المعاني" رکھا گیا جو درس نظامی میں داخل نصاب ہے۔

اس کے علاوہ بھی خطیب قزوینی کی تلخیص کی شرحیں اور تلخیصات لکھی جاتی رہیں، اور سب کا سہرا سکاکی کے سر جاتا ہے۔

1.6.4 جدید کتابیں

اس کے بعد بھی مختلف کتابیں اور رسائل اس موضوع پر شائع ہوتے رہے، جدید دور میں بھی کتابیں آتی رہیں، اور ان کی ترتیب اور قواعد کا التزام وہی رہا جو سکاکی نے شروع کیا تھا، ان میں "البلاغة الواضحة" اور "دروس البلاغة" زیادہ مشہور ہوئیں، جو مشترک تصنیفات

ہیں، مستقل علم المعانی پر عبدالعزیز عتیق کی "علم المعاني" اور فضل حسن عباس کی "البلاغة فنونها و أفنانها" مفید کتابیں ہیں۔

معلومات کی جانچ

1- علم المعانی کی اساس کیا ہے؟

2- علم المعانی کے بانی کون ہیں اوران کا اس فن میں کیا کارنامہ ہے؟

3- سکاکی کی کتاب "مفتاح العلوم" کی اہم شرحوں اور تلخیصات کے نام مع مصنف لکھئے۔

1.7 علم المعانی کے اہم مؤلفین

1.7.1 الجرجاني (400-471ھ)

عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن الجرجانی جرجان (ایران) میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی، بچپن سے ہی نحو وادب کی کتابوں سے خصوصی دلچسپی تھی، قاضی علی بن عبدالعزیز جرجانی) وفات:392ھ) قاضی جرجان سے خصوصی استفادہ کیا، اوران سے ان کی کتاب "الوساطة بين المتنبي وخصومه" براہ راست پڑھی، جرجانی نے سیبویہ (وفات:148ھ)، جاحظ (وفات:255ھ)، ابوعلی فارسی (وفات:377ھ)، ابن قتیبہ (وفات:322ھ)، قدامہ بن جعفر (وفات:337ھ)، حسن بن بشر آمدی (وفات:370ھ)، ابو ہلال عسکری (وفات:395ھ) اور ابو اسحاق زجاج (وفات:311ھ) وغیرہ کی کتابوں سے بڑا فائدہ اٹھایا اور جابجا اپنی کتابوں میں ان کے حوالے دیئے ہیں۔

عبدالقاہر جرجانی کی شہرت ابتدا میں نحو ولغت کے مستقل امام کی حیثیت سے تھی، اکثر تذکرہ نگاروں نے انھیں اسی حیثیت سے متعارف کرایا، فن بلاغت ونقد میں ان کی مجتہدانہ حیثیت بعد میں سامنے آئی، ان کی دو کتابیں "دلائل الإعجاز" اور "أسرار البلاغة" سب سے زیادہ مشہور ہوئیں اور انہیں سے ان کا تعارف ہوا۔

ان کے علاوہ ان کی چند اہم تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

(1)"كتاب شرح الفاتح" (2)"درج الدرر في تفسير الآي و السور": ان دونوں تصانیف کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے لیکن یہ کتابیں ناپید ہیں۔

(3)"المعتضد": ابوعبداللہ محمد بن یزید، الواسطی کی تصنیف "إعجاز القرآن" کی شرح ہے۔"الشرح الكبير" کے نام سے یہ کتاب مشہور ہے لیکن غالباً اس کی بھی طباعت نہیں ہوئی۔

(4)"الشرح الصغير": یہ بھی مذکورہ بالا تصنیف "إعجاز القرآن" کی مختصر شرح ہے، اس کتاب کا بھی اب صرف نام باقی ہے۔

(5) "الرسالة الشافية": اعجاز قرآنی سے متعلق یہ تصنیف "ثلاث رسائل في إعجاز القرآن "میں شامل کرکے شائع ہوچکی ہے۔

(6 "الإعجاز": ابوعلی الفارسی کی تصنیف "الإيضاح" کی مختصر شرح ہے، یہ کتاب بھی اب تک طبع نہ ہوسکی۔

(7) ''المغني '' : یہ مذکورہ بالا ''الإیضاح'' کی مبسوط شرح ہے۔تمام مشہور تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں اس کا ذکر ہے لیکن وہ بھی چھپی ہوئی نہیں ملتی۔

(8 ''المقصد'' : ''المغني في شرح الإيضاح'' کی تلخیص ہے، یہ بھی مخطوطہ ہے۔

(9) ''الجمل'' : ''العوامل المأة'' جوخود جرجانی کی مشہور ومتداول مطبوعہ تصنیف ہے، ''الجمل''اس کی شرح ہے،اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔

(10) ''التلخيص'' : ''كتاب الجمل'' کی تلخیص ہے۔

ان کے علاوہ جرجانی کی دیگر تصانیف کا بھی ذکر بھی ملتا ہے لیکن نہ ان کا پوری طرح تعارف کرایا گیا ہے نہ ہی طباعت یا مخطوطات کی نشاندہی کی گئی ہے، جرجانی ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے،لیکن ان کی شہرت آج تک فن بلاغت ونقد کے مجتہد مطلق کی حیثیت سے ہے۔

1.7.2 السکّاكي(555-626ھ)

خوارزم جمہوریہ ازبکستان (روس) کا ایک اہم صوبہ تھا، جہاں عہد اسلام میں بے شمار اہلِ علم پیدا ہوئے، خیوہ اس صوبہ کا مرکزی شہر ہے، مامون الرشید (وفات:218ھ) کے دور کا مشہور منجم اور الجبرا کا ماہر محمد بن موسی الخوارزمی (وفات:232ھ) اسی مردم خیز خطے میں پیدا ہوا، اور معلمِ ثانی ابونصر فارابی (وفات:339ھ) کا مولد فاراب اسی علاقے میں واقع ہے، اسی خطہ سے ''مفتاح العلوم'' کے مصنف سکاکی کا تعلق ہے۔

سکاکی کا نام ونسب ابویکر یوسف بن ابی بکر بن محمد مذکور ہے، سراج الدین لقب تھا، مگر شہرت ''السكاكي'' سے ہوئی، وہ 555ھ کو خوارزم میں پیدا ہوئے، تذکرہ نگاروں نے "السکاکی " کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے مختلف رائے پیش کی ہیں، ایک رائے ہے کہ شہر ''سکاکہ'' کی طرف نسبت ہے جو نیشاپور میں واقع ہے، بعض محققین کا خیال ہے کہ سکاکی خوارزم کا باشندہ تھا، اور ''سکاکہ'' خوارزم میں نہیں، اس لیے اسکی طرف نسبت ممکن نہیں، دوسری رائے یہ ہے کہ سکاکی کے جدامجد ''ابن سکاک'' تھے اور ''سکاکی'' خاندان نام ہے، تیسری رائے یہ ہے کہ سکاکی چاقو چھریاں بنانے کا کام کرتے تھے، اس کی وجہ سے سکاکی مشہور ہوئے، عربی زبان میں چھری کو ''سکین'' کہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن سکاکی نے قلمدان تیار کیا جو نفاست اور مہارتِ فن کی وجہ سے بے نظیر تھا، انہوں نے یہ خوب صورت قلمدان ملک کے حکمران کو تحفہ میں دیا اور انہیں شاہی انعام واکرام سے نوازا گیا، کچھ دیر بعد ان کی موجودگی میں ایک اجنبی دربار میں حاضر ہوا اور نہایت تزک و احتشام سے اجنبی کا استقبال کیا گیا، سکاکی نے نو وارد کا اکرام وتعظیم دیکھ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اجنبی ایک عالم ہے، سکاکی نے محسوس کیا کہ ایک فن میں مہارت حاصل کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ علم کی تحصیل کی جائے اور انہوں نے حصولِ علم پر توجہ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

سکاکی ترکی زبان کا شاعر تھا اور اس کا ترکی کلام محفوظ ہے، مگر اس کی شہرت ''مفتاح العلوم'' کی بدولت ہے جو ''بلاغت'' پر لکھی گئی، یہ ان کی تمام کتابوں میں جامع ترین ہے، اگرچہ اس پر بعض تنقیدیں بھی کی گئیں ہیں، سکاکی نے مختلف علماء کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اپنے ارادہ میں کامیابی حاصل کی، ان کے اساتذہ کا تذکرہ نہیں ملتا، سکاکی حنفی فقہاء میں بھی ممتاز تھے، 626ھ کو علم وہنر کا یہ آفتاب صوبہ فرغانہ میں ''المانع'' نامی قصبہ کے قریب ایک گاؤں میں فوت ہوا جو مشہور فلسفی یعقوب بن اسحاق الکندی (وفات:260ھ) کا مولد ہے۔

1.7.3 التفتازاني (712ھ-793ھ)

آٹھویں صدی ہجری کے مسلمان حکماء میں علامہ تفتازانی کا نام نہایت نمایاں ہے، ان کا نام مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی، لقب سعد الدین تھا، علم معانی، عربی لغت اور منطق کے امام تصور کئے جاتے ہیں، اس کے علاوہ آپ فقیہ، اصولی، مفسر اور ادیب بھی تھے، ان کی پیدائش تفتازان میں ہوئی جو خراسان میں ہے، تفتازانی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی، اعلی تعلیم عضدالدین ایجی (وفات: 756ھ) سے پائی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قطب الدین رازی (وفات: 766ھ) سے بھی استفادہ کیا تھا، تفتازانی نے جملہ مروجہ علوم صرف ونحو، منطق وفلسفہ، معانی وبیان اور اصول وتفسیر میں کمال حاصل کیا، ان کی شہرت جلد ہی دور دور تک پھیل گئی اور طلبہ ان سے استفادے کے لئے رجوع کرنے لگے۔

تفتازانی کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف شہروں میں قیام کیا، وہ ہرات، سرخس، سمرقند، جبرون، ترکستان اور خوارزم میں مقیم رہے، تدریس کے ساتھ ساتھ تفتازانی نے مظفریہ حکمران فارس شاہ شجاع کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی، تیمور نے خوارزم پر حملہ کیا اور شاہ شجاع کی سلطنت متاثر ہوئی، اس زمانہ میں ملک محمد سرخسی نے اپنے بھتیجے محمد بن غیاث الدین کو لکھا (جو اس وقت تیمور کا درباری تھا) کہ تیمور سے منظوری لے کر تفتازانی کو سرخس بھیج دیا جائے، چنانچہ تفتازانی ملک محمد سرخسی کے پاس سرخس چلے گئے، کچھ عرصہ بعد امیر تیمور کو تفتازانی کے علم وفضل سے آگاہی ہوئی تو انہیں واپس سمرقند بلا بھیجا، تفتازانی نے پہلے تو عذر کیا کہ وہ حجاز جانے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر اصرار پر سمرقند چلے گئے، تیمور نے اپنے دربار میں صدر الصدور کی حیثیت سے جگہ دی۔

تفتازانی نے سولہ سال کی عمر میں پہلی کتاب لکھی اور آخر دم تک قلم ہاتھ سے نہ رکھا، ان کی بے شمار کتابیں یادگار ہیں، تفتازانی نے جملہ مروجہ علوم میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے، ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں: نحو میں "**إرشاد الهادي**"، صرف میں "**شرح التصريف العزّي**" اور بلاغت میں "**المطول**" لکھی، پھر "**المختصر**" کے نام سے اس کا اختصار تیار کیا، علم کلام میں "**مقاصد الطالبين**"، عقیدہ میں "**شرح العقائد النسفية**"، منطق میں "**تهذيب المنطق**"، اصول فقہ میں "**التلويح إلى كشف غوامض التنقيح**" وغیرہ کتابیں ان کے قلم سے نکلیں اور مشہور ہوئیں۔

1.7.4 دیگر مؤلفین

ان کے علاوہ چند اور مؤلفین کے نام لیے جاسکتے ہیں جن کو علم معانی کے حوالہ سے جانا جاتا ہے، ان میں مشہور یہ ہیں:

1- علی بن محمد بن علی شریف جرجانی (740-816ھ): عربی زبان کے نابغۂ روزگار عالم، اور فلسفی شمار کئے جاتے ہیں، تاکو (استرآباد) میں پیدا ہوئے اور شیراز میں تعلیم حاصل کی، علامہ تفتازانی سے ان کے مباحثات رہے ہیں، پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں علمی اصطلاحات پر مبنی کتاب "**كتاب التعريفات**" زیادہ مشہور ہے، اس کے علاوہ انہوں "**المفتاح**" کے بعض مباحث کی اور تفتازانی کی "**المطول**" اور "**المختصر**" کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔

2- عضدالدین الایجی (680-756ھ): ان کا نام عبدالرحمٰن بن رکن الدین ہے البکری ہے، شیراز سے تعلق تھا، بڑے درجہ کے فقیہ اور متکلم تھے، ایک ماہر استاذ اور مربی تھے، ان کے جلیل القدر شاگردوں میں تفتازانی اور شمس الدین الکرمانی کے نام بھی آتے ہیں، حدیث، تفسیر، فقہ واصول وغیرہ میں متعدد کتابیں لکھیں، بلاغت میں قزوینی کی "**تلخيص المفتاح**" کی مفصل شرح کے علاوہ سکاکی کی "**المفتاح**" کی بھی شرح

لکھی،اسی طرح "**الفوائد الغياثية في المعاني والبيان**" کے نام سے مستقل تصنیف کی۔

3- برہان الدین حیدر شیرازی (780-854ھ): صدر الہروی ان کا خطاب تھا، معانی، بیان اور عربی زبان کے ماہر تھے، تفتازانی اور جرجانی سے استفادہ کیا، اور قزوینی کی "**الإيضاح**" کی شرح لکھی۔

4- محمد بن یوسف شمس الدین کرمانی (717-786ھ): حدیث وتفسیر، عربی زبان اور معانی کے مشہور عالم تھے، کرمان (ایران) کے رہنے والے تھے، لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں ان کی شہرت ہوئی، ایک مدت مکہ مکرمہ میں بھی رہے، ان کی سب سے مشہور کتاب "**الكواكب الدراري**" ہے جو صحیح بخاری کی شرح ہے، بلاغت میں "**الفوائد الغياثية**" کی شرح لکھی۔

5- محمود بن مسعود فارسی، قطب الدین شیرازی (634-710ھ): مشہور زمانہ قاضی، مفسر اور ماہر عقلیات تھے، علم ریاضی اور فلکیات کے مشہور مسلم علماء میں ایک نمایاں نام ہے، شیراز میں پیدا ہوئے، نصیر الدین طوسی (وفات: 1274ء) سے تعلیم حاصل کی، سیواس کے قاضی ہوئے، تبریز میں جا کر رہائش اختیار کی اور وہیں وفات پائی، طب میں ابن سینا (وفات: 1037ء) کی کلیات قانون کی شرح لکھی، اور بلاغت میں "**مفتاح المفتاح**" کے نام سے سکاکی کی "**المفتاح**" کی شرح لکھی۔

معلومات کی جانچ

1- عبد القاہر جرجانی اور تفتازانی کے مختصر حالات لکھئے۔

2- سکاکی کے مختصر حالات لکھئے۔

3- شریف جرجانی، کرمانی اور ایجی کے کاموں کا جائزہ لیجئے۔

1.8 خلاصہ

عام طور سے بلاغت کے ماہرین نے اس کی اس طرح تعریف کی ہے: "**هو علم يعرف به أحوال اللفظ العربي التي بها يطابق اللفظُ مقتضى الحال**" (یہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ ایک عربی لفظ کے ان احوال کو پہچانا جاتا ہے جن کے ذریعہ لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہو جاتا ہے)۔

علم معانی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہم اپنے جملوں کو کس طرح مرتب کریں، اور مقتضائے حال کے مطابق کیسے کلام کریں، کہاں جملوں کو مقدم کریں کہاں مؤخر، کہاں پورا جملہ ذکر کریں کہاں حذف سے کام لیں، کہاں معرفہ کا استعمال ہو کہاں نکرہ کا، کہاں ایجاز واختصار سے کام لیں کہاں تفصیل سے گفتگو کریں، اور اس کی جتنی بھی مختلف تعبیرات میں اس کی تعریف کریں ان کا مفہوم یہی ہوگا کہ ہر مقام کے مطابق ایک الگ گفتگو ہوتی ہے، اہل بلاغت کا مشہور جملہ ہے: "**لكل مقام مقال**"۔

علم المعانی میں آٹھ ابواب سے بحث ہوتی ہے: (1) احوالِ اسنادِ خبری۔ (2) احوالِ مسند الیہ۔ (3) احوالِ مسند۔ (4) احوالِ متعلقاتِ فعل۔ (5) انشاء۔ (6) قصر۔ (7) فصل ووصل۔ (8) ایجاز، اطناب اور مساوات۔

علم معانی کا موضوع لفظ عربی ہے اس حیثیت سے کہ وہ اپنے اندر کیا معنی رکھتا ہے، اور معنی سے مراد دونوں معنی ہیں، ایک تو وہ معنی جس کو نحو میں اصل معنی کہتے ہیں یعنی جو الفاظ سے ظاہر ہیں، دوسرے وہ معنی جو کلام کا مقصود ہیں، مثلا: "إن زيدًا لقائم " اس جملہ کا ایک معنی تو یہ ہے کہ زید یقیناً کھڑا ہے؛ لیکن دوسرا معنی یا مقصد اس جملہ کو اس تاکیدی انداز میں کہنے کا یہ ہے کہ مخاطب کو باور کرادیا جائے کہ زید کھڑا ہوا ہے اس میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ورنہ "زيد قائم" (زید کھڑا ہے) کہنا بھی کافی تھا۔

علم معانی کی اصل وہ نظریہ ہے جو عبد القاہر جرجانی نے "نظم" کے عنوان سے پیش کیا تھا، اور نظم سے مراد اُن کی یہ ہے کہ کلام کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر معلق کیا جائے، نظم میں دو باتیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ اس معنی اور مضمون پر توجہ دی جائے جو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں، دوسرے یہ کہ اس کے مناسب حال اس کے لیے ہم کون سے الفاظ منتخب کرتے ہیں۔

ابتدا میں بلاغت کا علم ایک اکائی کے طور پر پڑھا اور پڑھایا جاتا تھا، اس میں یہ تین قسمیں نہیں پائی جاتی تھیں، بلاغت کی ابتدائی کتابوں میں ہمیں ایسا ہی نظر آتا ہے کہ بلاغت کی تینوں اقسام ایک دوسرے کے ساتھ ضم کر کے بیان کی گئی ہیں، پھر رفتہ رفتہ یہ تینوں قسمیں مستقل تین علوم کی شکل اختیار کرتی گئیں، لیکن پھر بھی زیادہ تر مصنفین ان کو خلط ملط کر ہی دیتے تھے، یہی صورت حال تھی جب پانچویں صدی ہجری میں عبد القاہر جرجانی کا دور آیا، جرجانی نے باضابطہ طور پر علم معانی کا نظریہ اپنی کتاب "دلائل الإعجاز" میں پیش کیا جبکہ علم بیان کا نظریہ اپنی کتاب "أسرار البلاغة" میں پیش کیا، اس سے پہلے ابن المعتز علم بدیع کا نظریہ اپنی کتاب "البديع" میں پیش کر چکے تھے، اس طرح یہ تینوں علوم ایک دوسرے سے ممتاز ہو کر بیان ہونے لگے، گویا بلاغت ایک درخت ہے جس کی تین شاخیں ہیں، اور یہی شاخیں پھیل کر مستقل چھوٹے چھوٹے درختوں کی جگہ لے چکی ہیں۔

جرجانی کے بعد اس فن میں رازی کا نام آتا ہے، اس کے بعد سکاکی "مفتاح العلوم" لکھتے ہیں جس کتاب کو علم معانی میں ایک بنیادی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے، اس کے بعد کی کتابیں اس کے ارد گرد گھومتی ہیں، یا تو اس کی شرحیں لکھی گئیں یا اس کی تلخیص کی گئی، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سکاکی کے بعد یہ فن جمود کا شکار ہو گیا، اس فن کے دیگر ماہرین میں علامہ تفتازانی، شریف جرجانی، عضد الدین الایجی، برہان الدین حیدر شیرازی، محمد بن یوسف شمس الدین کرمانی، محمود بن مسعود فارسی اور قطب الدین شیرازی وغیرہ کے نام ذکر کئے جاتے ہیں۔

1.9 نمونہ کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب تیس تیس سطروں میں لکھئے:

1- علم المعانی کے اہم مؤلفین پر تفصیلی مضمون لکھئے۔

2- علم المعانی کی غرض وغایت اور اس کی اساس کا جائزہ لیجئے۔

3- علم المعانی کی ابتدا، نشو ونما اور اہم کتابوں پر ایک نوٹ لکھئے۔

درج ذیل سوالات کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں لکھئے:

1- علم المعانی کی تعریف بیان کیجئے اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالئے۔

2- جرجانی، تفتازانی اور سکاکی کے حالات لکھئے۔

3- بلاغت پر علم المعانی کے اثرات کا جائزہ لیجئے۔

4- "**مفتاح العلوم**" اور اس کی شروحات و تلخیصات پر ایک مختصر نوٹ لکھئے۔

1.10 سفارش کردہ کتابیں

1-	**مختصر المعاني**	سعد الدین تفتازانی
2-	**علم المعاني**	عبد العزیز عتیق
3-	**البلاغة فنونها و أفنانها (علم المعاني)**	فضل حسن عباس
4-	**دروس البلاغة**	مشترکہ تصنیف: حفنی ناصف، محمد دیاب، سلطان محمد، مصطفیٰ طمّوم
5-	**البلاغة الواضحة**	مشترکہ تصنیف: علی الجارم و مصطفیٰ امین